محمد حنیف ندوی

فہمِ قرآن

فضائل قرآن

کتاب اللہ کے فضائل اور خوبیاں کیا کیا ہیں؟ اس کا اندازہ آنحضرتؐ کی اس حدیث سے لگائیے:

من قرء القرآن ثم رأی ان احداً اوتی افضل مما اوتی فقد استصغر ما عظمہ اللہ تعالیٰ۔

(الحدیث)

جسے قرآن پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس نے خیال کیا کہ اس سے کہیں بہتر وہ دولت ہے جو کسی دوسرے شخص کو دی گئی ہے۔ تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے اللہ کی اس کتاب کی توہین کی جس کے رتبے کو اللہ نے بڑھایا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے

مامن شفیع افضل منزلۃ عند اللہ تعالیٰ من القرآن لا نبی ولا ملک ولا غیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں قرآن سے بڑھ کر اور کوئی شفیع نہیں۔ نہ پیغمبر اور نہ فرشتے وغیرہ۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا

افضل عبادۃ امتی القرآن۔

میری امت کی بہترین عبادت تلاوت و فہم قرآن ہے۔

معاشرہ میں قرآن پر عبور حاصل کرنے والوں کا کیا درجہ ہے۔ اس کے بارہ میں فرمایا

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔

تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جن کا مشغلہ قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دینا ہے۔

ایک مقام پر اس پر روشنی ڈالی کہ عند اللہ ان حضرات کا کیا مقام ہے

اہل القرآن اہل اللہ وخاصتہٗ (۵)

قرآن سے شغف رکھنے والے اہل اللہ اور اس کے خاص بندے ہیں۔

---

(۱) طبرانی (۲) طبرانی (۳) ابونعیم نے ذکر کیا ہے (۴) بخاری (۵)

ایک حدیث میں ہے

ان القلوب تصدا کما یصدا الحدید فقیل یارسول اللہ وما جلاءھا؟ فقال تلاوۃ القرآن وذکر الموت ۔	دل اسی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح کہ لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ پھر ان کو صیقل کیونکر کیا جائے فرمایا تلاوت قرآن سے اور موت کی یاد سے ۔

فضائل قرآن اور کچھ آثار قرآن سے بہرہ مندی علوم نبوت سے بہرہ مندی کے مترادف ہے مزید تفصیل کے لیے کچھ آثار ملاحظہ ہوں ۔عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں

اذا اردتم العلم فانثروا القرآن فان فیہ علم الاولین والآخرین ۔ (الحدیث)	جب تمہیں علم و حقائق تک رسائی حاصل کرنا ہو تو قرآن کو کھول کر دیکھو کہ اس میں اولین و آخرین سب سے متعلق تفصیلات درج ہیں ۔

عمر بن عاص کا کہنا ہے

من قرء القرآن ادرج النبوۃ بین جنبیہ الا انہ لا یوحی الیہ ۔	جس نے قرآن پڑھا اور اس پر غور و فکر کیا اس نے گویا انوار نبوت سے قلب و ذہن کے گوشوں کو معمور کر لیا ۔ ہاں اس پر وحی کے دروازے البتہ بند ہیں ۔

امام احمد بن حنبل نے خواب میں اللہ تعالےٰ سے پوچھا کہ مولا آپ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بہترین ذریعہ کونسا ہے اور کس طریق سے آپ تک رسائی ممکن ہے ۔ فرمایا

بکلامی یا احمد	اے احمد! میرے کلام کے ذریعہ ۔ یہی میرے تقرب کا بہترین ذریعہ ہے۔

امام نے دریافت کرنا چاہا کہ اس سے مقصود سمجھ کر پڑھنا ہے یا بغیر سمجھے بوجھے پڑھنا بھی تقرب الی اللہ کا باعث ہو سکتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا

بفھم و غیر فھم	سمجھ بوجھ کر پڑھنا اور یونہی از راہ محبت و شوق پڑھنا دونوں اس میں داخل ہیں۔

---

(۱) بیہقی

فضیل بن عیاض کا قول ہے

ینبغی لحامل القراٰن ان لا یکون له الی احد حاجة ولا الی الخلفاء فمن دونهم۔ فینبغی ان تکون حوائج الخلق الیه۔

حامل قرآن کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کا دست نگر ہو۔ نہ تو اس کو خلفاء سے کوئی سروکار ہونا چاہیے اور نہ ان لوگوں سے جو ان سے کم درجے کے ہیں۔ ہاں لوگوں کی ضرورتیں البتہ اس سے وابستہ ہونی چاہئیں۔

انہیں کا کہنا ہے

حامل القراٰن حامل رایة الاسلام۔

قرآن کا حامل پرچم اسلام کا حامل ہے

سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے

اذا قرأ الرجل القراٰن قبل الملك بین عینیه۔

انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اس کی پیشانی پر بوسہ دیتا ہے۔

خالد بن عقبہ آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ذرا قرآن تو سنایئے۔ آپؐ نے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بالعدل والاحسان (الآیہ) پڑھ کر سنائی۔ اس نے کہا ایک مرتبہ اور پڑھیے۔ آپؐ نے دوبارہ تلاوت فرمائی تو اس پر اس کا تاثر یہ تھا

وَاللّٰه ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اسفله لمورق وان اعلاهٗ لمثمر وَمَا یقول هذا البشر۔

(الحدیث)

بخدا اس میں شیرینی ہے اور سج دھج ہے۔ اور یہ ایسا شجر فصاحت ہے کہ اس کے نیچے کا حصہ تو پتوں سے ڈھکا ہے اور اوپر پھلوں اور میووں کی کثرت ہے۔ یہ کلام ہرگز کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔

حسن کا مقولہ ہے

وَاللّٰه مَا دُون القراٰن من غنی ولا بعد من فاقة۔

واللہ قرآن سے ادھر غنی نہیں۔ اور اس کو پانے کے بعد فقر و احتیاج کا وجود نہیں۔

قرآن کے معاملہ میں غفلت و سہو کی مذمت

انس بن مالک نے ان لوگوں سے متعلق جو طوطے کی طرح قرآن پڑھتے ہیں، اور فکر و عمل کی سمتوں

---

(۱) حافظ ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے

کو اس کے مطابق بدلنے کی کوشش نہیں کرتے۔ فرمایا

رب قال للقرآن والقرآن یلعنه۔

کتنے ہی ایسے قاری ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔

میسرۃ نے قرآن کی بے چارگی کے بارہ میں کہا

الغریب هو القرآن في جوف الفاجر۔

غریب و اجنبی کوئی شخص نہیں وہ قرآن ہے جو فاجر کے سینہ میں ہے

ابو سلیمان الدرانی کہا کرتے تھے

الزبانية اسرع الى حملة القرآن الذين يعصون الله عزوجل منهم الى عبدة الاوثان حين عصوا الله سبحانه بعد القرآن۔

جہنم کے فرشتے ان لوگوں کو زیادہ عجلت سے گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے جو قرآن کے حامل بھی ہیں اور اللہ تعالٰے کی مخالفت بھی کرتے ہیں بہ نسبت ان کے جو بت پرست ہیں۔ اور انہوں نے نزول قرآن کے بعد نافرمانی کی۔

ابن الرماح نے کہا

ندمت على استظهاري القرآن لانه ملقي ان اصحاب القرآن يسئلون عما يسئل الانبياء يوم القيامة۔

مجھے حفظ قرآن پر بڑی ہی ندامت ہوئی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ ان حاملین قرآن کی ذمہ داری اتنی ہی ہے جتنی کہ انبیاء علیہم السلام کی۔ کیونکہ ان سے بھی انبیاء کی طرح پوچھا جائے گا کہ آپ نے ہمارے پیغام کے مقتضیات کو کہاں تک پورا کیا۔

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا

ينبغي لحامل القرآن ان يعرف بليله اذا الناس ينامون وبنهاره اذا الناس يفطرون وبحزنه اذا الناس يفرحون وببكائه اذا الناس يضحكون وبصمته اذا الناس يخوضون وبخشوعه اذا الناس يختالون وينبغي لحامل القرآن ان يكون مستكينا لينا ولا ينبغي له ان يكون جافيا ولا مماريا ولا

حامل قرآن کے لیے یہی زیبا ہے کہ اپنی شب بیداری کی بدولت پہچانا جائے۔ جب کہ لوگ مزے سے سو رہے ہوں۔ اپنے دن کے پاکیزہ مشاغل سے پہچانا جائے جب کہ لوگ جائز و ناجائز کی تفریق کا خیال نہ رکھ رہے ہوں۔ اس کی علامت بکاء و زاری ہونا چاہیے۔ جب کہ دوسرے قہقہے لگا رہے ہوں۔ خاموشی ہونی چاہیے جب دوسرے لاطائل بحثوں میں غور و خوض کر رہے ہوں۔ خشوع ہونی چاہیے۔ جب دوسرے کبر و نخوت کے نشہ سے سرشار ہوں۔ نیز حامل قرآن کے لیے زیبا یہ ہے۔ کہ متواضع اور نرم خو ہو۔ سخت دل۔ جھگڑالو، اور شور مچانے والا

صباحًا ولا صخابًا۔ ولا حديدًا (الحديث)
نہ ہو۔ اس کو یہ بات بھی زیب نہیں دیتی کہ لوہے کی طرح سخت اور غیر تاثر پذیر ہو۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے

اكثر منافقي هذه الامة قراءها۔
اس امت کے منافقین کی اکثریت قراء سے متعلق ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا

اقراء القرآن ما نهاك فان لم ينهك فلست تقرءه (الحديث)
قرآن پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ برائیوں سے تمہیں روکتا ہے اور گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ لیکن اگر یہ برائیوں سے نہیں روکتا ہے۔ تو یہ کوئی پڑھنا نہیں ہے۔

اس مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں یوں بیان فرمایا

ما آمن بالقرآن من استحل محارمه
وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں رکھتا جو اس کے محارم کو حلال سمجھتا ہے۔

ایک عالم نے کیا خوب کہا ہے۔ تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان خود اپنے کو نادانستہ طور سے ملعون قرار دیتا ہے۔ یعنی جب وہ کہتا ہے فنجعل لعنة الله على الكاذبين (پھر ہم دونوں جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں) تو اس سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ یا جب اس آیت کی تلاوت کرتا ہے "الا لعنة الله على الظالمين" (سن رکھو ظالموں پر خدا کی لعنت ہے) تو اس سے زیادہ کوئی اس لعنت کا مستحق نہیں ہوتا۔

جناب حسن کہتے ہیں

انكم اتخذتم قرأة القرآن مراحل وجعلتم الليل جملا فانتم تركبونه فتقطعون به مراحله وان من كان قبلكم رأوه رسائل من ربهم فكانوا يتدبرونها بالليل وينفذونها بالنهار۔
تم نے تلاوت قرآن کو مراحل سمجھ رکھا ہے۔ اور رات کو بمنزلہ سواری کے قرار دے رکھا ہے کہ جس کے ذریعہ ان مراحل کو طے کرتے ہو۔ مگر اگلوں کا شیوہ اس سے مختلف تھا۔ وہ قرآن کو اللہ کا پیغام سمجھتے تھے۔ اس لیے رات تو تدبر و تفکر میں بسر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

---

(۱) احمد (۲) طبرانی (۳) ترمذی

عبداللہ بن مسعود نے امت کی بے عملی کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا

انزل القرآن ليعملوا به فاتخذوا دراسته عملاً ان احدكم ليقرء القرآن من فاتحته الى خاتمته ما يسقط منه حرفاً وقد اسقط العمل به

قرآن عمل کے لیے نازل ہوا تھا۔ مگر یار لوگوں نے اس کی تعلیم و تعلم کو پیشہ کی صورت دے رکھی ہے۔ چنانچہ فاتحہ سے لے کر والناس تک اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور ایک حرف اور اس کا شوشہ بھی چھوٹنے نہیں پاتا۔ مگر جہاں تک عمل کا تعلق ہے اسے یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

کیا کلام الٰہی کا درجہ ایک دوست کے خط سے بھی کم درجہ کا ہے اور کیا خود ذات باری کا مقام اتنا بھی نہیں جتنا کہ ایک دوست کا ہے

تورات کے ایک صحیفہ میں کتاب الٰہی سے متعلق غفلت و سہو کی تصویر یوں کھینچی گئی ہے

يا عبدي اما تستحي مني ياتيك كتاب من بعض اخوانك وانت في الطريق تمشي فتعدل من الطريق وتقعد لاجله وتقرءه وتتدبره حرفاً حرفاً حتى لا يفوتك شئ منه، وهذا كتابي انزلته اليك انظر كم فصلت لك فيه من القول - وكم كررت عليك فيه لتتأمل طوله وعرضه - ثم انت معرض عنه افكنت اهون عليك من بعض اخوانك يقعد اليك بعض اخوانك فتقبل بكل وجهك وتصغي الى حديثه بكل قلبك فان تكلم متكلم او شغلك شاغل عن حديثه اومأت اليه ان كف وها انا ذا مقبل اليك ومحدث لك وانت معرض بقلبك عني افجعلتني اهون عندك من

اے میرے بندے! کیا تو اس صورت حال سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ کہ اگر تمہیں کسی دوست کا خط راستے میں ملے تو تُو فوراً الگ بیٹھ کر اسے پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور اس کے ایک ایک حرف پر غور و فکر کی قوتیں صرف کرتا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی بات چھوٹنے نہیں پاتی۔ لیکن میری کتاب کے بارہ میں یہ تساہل ہے کہ میں نے گو اسے تمہارے فائدہ کے لیے اتارا۔ اور اس کے حقائق کو کھول کھول کر بیان کیا۔ اور بکرات ان حقائق کی وضاحت کی تاکہ تو اس کے طول و عرض پر غور کر سکے۔ لیکن تو ہے کہ اس سے روگرداں ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ میری ذات تمہارے ایک ایسے دوست سے بھی کم درجے کے اعتبار کی مستحق ہے جو تمہارے پاس بیٹھتا ہے اور تمہاری تمام توجہات گھیر لیتا ہے۔ تم اس کی باتیں پوری توجہ سے سنتے اور اس کے ہر ہر قول پر کان دھرتے ہو۔ اور کوئی مداخلت اس سلسلہ میں گوارا نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مخل ہونا بھی چاہے تو فوراً اس کو اشارہ سے روک دیتے ہو۔ لیکن میں تمہاری طرف اپنی عنانِ توجہ مبذول کیے

بعد اخوانك (الحدیث)

ہوئے ہوں۔ اور تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں مگر تم ہو کہ ذرا ملتفت نہیں ہوتے۔ تو کیا میرا درجہ تمہارے ایک دوست سے بھی کم ہے۔

آدابِ تلاوت

سب سے پہلے تو قاری کو با وضو ہونا چاہیے۔ اور پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کا انداز غیر مؤدبانہ تو نہیں ہے۔ اگر کھڑا ہے تو ادب و سکون مترشح ہونا چاہیے اور بیٹھا ہے تو قبلہ رو ہونا چاہیے۔ آلتی پالتی مار کر بیٹھنا یا ٹیک لگا کر بیٹھنا یا ایسے انداز میں بیٹھنا کہ جس سے کبر و پندار کی بو آتی ہو۔ درست نہیں۔ زیادہ اچھا یہ ہے کہ اس شاگرد کی طرح ادب و سکون سے بیٹھے جو اپنے استاد کے سامنے دامنِ طلب پھیلائے ہوئے ہے۔ اور مؤدب ہو کر دو زانو بیٹھا ہے۔ بہترین صورت یہ ہے کہ قرآن نماز میں قیام کی حالت میں پڑھا جائے۔ اور وہ بھی مسجد میں۔ وضو کے بغیر لبشرط طہارت بھی تلاوت جائز ہے۔ اسی طرح ایک آدمی لیٹے لیٹے بھی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ لیکن یہ صورتِ حال اولیٰ نہیں۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔

اس ترتیبِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حالتِ قیام میں قرآن پڑھنا افضل ہے۔ اس سے کم درجہ کا بیٹھ کر پڑھنا ہے۔ اور لیٹ کر پڑھنا بھی گو جائز ہے تاہم ثواب میں ان دونوں صورتوں سے کم ہے۔

تلاوت کی مقدار اولیٰ کیا ہے؟

تلاوت کی مقدار کیا ہونا چاہیے اس میں بہ بنائے عادات اختلاف ہے۔ کوئی شب و روز میں ایک مرتبہ ختم قرآن کا قائل ہے۔ کوئی دو مرتبہ اور کوئی تین تین مرتبہ۔ کوئی ایک ماہ میں ختم کرتا ہے۔ اسی کو اولیٰ قرار دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرتؐ کی اس حدیث کو ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے:

من قرء القراٰن فی اقل من ثلاث لم یفقھہ۔ جس نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا وہ اسے سمجھ نہیں پایا۔

کیونکہ جب اتنی تیزی اختیار کرے گا تو فہم و فکر کے مواقع کب میسر ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ نے ایک صاحب

---

(۱) ترمذی

کوسنا۔ غیر معمولی سرعت کے ساتھ قرآن پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

مَا قرأ وَمَا سکت۔

کہ یہ شخص نہ تو قاری کے حکم میں ہے اور نہ ساکت کے حکم میں۔

ایک حدیث میں ہے

امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ عمرو رضی اللہ عنہما ان یختم القرآن فی کل سبع

آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن عمرو کو حکم دیا کہ قرآن سات دن میں ختم کیا کریں۔

صحابہ کی ایک کثیر جماعت اسی پر عمل پیرا تھی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ، زید بن ثابتؓ، ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ وغیرہ کا معمول تھا کہ ایک جمعہ سے شروع کر کے دوسرے جمعہ تک ختم قرآن کی سعادت حاصل کرتے۔

ترتیل و تدبر قرآن

آداب تلاوت میں ترتیل کے تقاضوں کا خیال رکھنا بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس سے فہم و تدبر قرآن میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ام سلمیٰ نے آنحضرتؐ کے انداز تلاوت کی خصوصیت سے تعریف کی۔ آپ نے فرمایا، آپؐ جب پڑھتے ہیں تو ایک ایک حرف الگ الگ پہچانا جاتا ہے۔ اسی ضرورت کی اہمیت حضرت ابن عباس نے اپنے اس قول میں بیان کی ہے

لان اقرأ البقرۃ وآل عمران ارتلھما واتدبرھما احب الی من ان اقرأ القرآن کلہ ھذ ومۃ

میں سورہ صرف بقرہ وآل عمران کو ترتیل و تدبر کے ساتھ پڑھنا اس سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں کہ پورا قرآن بغیر کچھ جانے بوجھے تیزی سے پڑھ جاؤں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو شخص فہم قرآن کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ اس کے لیے ترتیل غیر ضروری ہے۔ اس کی ضرورت اس وقت بھی قائم رہے گی۔ کیونکہ قرآن کی توقیر اور احترام خاص یہ چاہتا ہے۔ کہ اسے عام کتابوں کی طرح سرسری طور پر نہ پڑھا جائے۔ رقت قلب اور بکاء بھی آداب تلاوت میں ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کوئی شخص سوچ سمجھ کر قرآن پڑھے گا اور اس کے احکام و مواعید پر اچھی طرح سے مطلع ہوگا اور معلوم کرے گا کہ اس کتاب ہدیٰ میں کن کن ذمہ داریوں کو نبھانے کی تاکید آئی ہے۔ اور پھر اپنی کوتاہیوں پر نظر ڈالے گا تو لامحالہ روئے گا اور آہ و زاری سے کام لے گا۔ لیکن اور

(۱) اصحاب سنن

اگر اس پر بھی اسے رونا نہیں آتا ہے تو کم از کم اپنی قساوتِ قلبی ہی پر اس کو رونا چاہیے کہ قرآن پڑھتا ہے اور اس میں مندرجہ عبر و بصائر پر نظر بھی ڈالتا ہے لیکن ان سے متاثر نہیں ہو پاتا۔ اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہو سکتی ہے؟

اثنائے تلاوت میں کچھ آیات ایسی بھی آتی ہیں جو سجدہ کی متقاضی ہیں۔ یہ قریب قریب چودہ ہیں۔ انہیں پڑھتے یا سنتے وقت سجدہ کرنا چاہیے۔ ان سجدات کے لیے بھی عبادت شرط ہے۔ قبلہ شرط ہے اور ستر عورت شرط ہے۔

تلاوت سے پہلے تعوذ ضروری ہے اور فارغ ہو چکنے کے بعد یہ کہنا چاہیے

صدق اللہ تعالیٰ و بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللھم انفعنا بہ و بارک لنا فیہ الحمد للہ رب العالمین و استغفر اللہ الحی القیوم۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام تعلیمات کو اس کے بندوں تک پہنچا دیا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اس سے بہرہ مند ہونے کی توفیق مرحمت فرما۔ اور اس میں برکت عطا کر۔ سب ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جو کائنات کا رب ہے۔ اور میں حی و قیوم خدا سے بخشش و عفو طلب کرتا ہوں۔

دورانِ قرأت میں مضامین کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر آیت تسبیح سامنے آئے تو تسبیح بیان کرنا چاہیے۔ تکبیر کا ذکر ہو تو اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اس طرح دعا و استغفار کے مواقع پر اس سے بخشش طلب کرنا چاہیے۔ اور دعا مانگنا چاہیے۔ حدیث میں ہے

قال حذیفہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فابتدأ بسورۃ البقرہ فکان لا یمر بآیۃ رحمۃ الا سأل ولا بآیۃ عذاب الا استعاذ ولا بآیۃ تنزیہ الا سبح۔

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ نے سورہ بقرہ کا آغاز فرمایا۔ لیکن اس طریق سے کہ جہاں آیت رحمت آتی ہے اللہ سے دعا مانگنا شروع کی۔ جہاں عذاب کا ذکر آیا۔ اس سے پناہ چاہی۔ اور جہاں اس کی تنزیہ مذکور ہوئی۔ اس کی تسبیح بیان کی۔

کیا قرآن بآواز بلند پڑھنا چاہیے یا بالسر۔ تین مختلف انداز

قرآن بآواز جہر پڑھنا چاہیے یا بالسر۔ اس میں اختلاف رائے ہے۔ لیکن اتنا تو بہر حال درست ہے کہ سر میں بھی کم از کم اتنی آواز سے تو ضرور پڑھنا چاہیے کہ الفاظ و حروف خود اسے سنائی دیں۔ ورنہ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا کہ قرأت کے تقاضے پورے ہو رہے ہیں یا نہیں بعض بزرگوں نے قرأت میں سر کو ترجیح دی ہے۔ انہیں میں سعید بن حبیب بھی ہیں۔ چنانچہ ان کے بارہ میں ایک روایت میں ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سنا کہ کوئی شخص بآواز بلند قرآن پڑھ رہا ہے۔ تو غلام کو بھیجا کہ اس کو روک دے۔ اس نے آکر اطلاع دی۔ جناب ایک صاحب مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور مسجد ان کی اپنی ہے۔ ہماری نہیں۔ اس لیے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اس معاملہ میں دخل اندازی کریں۔ آپ نے دور ہی سے پکار کر کہا۔

یا ایھا المصلی! ان کنت ترید اللہ عزوجل بصلاتک فاخفض صوتک وان کنت ترید الناس فانھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئاً۔

اے نماز پڑھنے والے! اگر نماز پڑھنے سے تمہارا مقصد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے تو اس طرح بلند آواز سے نہ پڑھ اور اگر تو لوگوں کی خوشنودی چاہتا ہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ تمہیں اللہ کی گرفت سے بچانے والے نہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں یہ کون شخص تھے یہ عمر بن عبدالعزیز تھے۔ جو ان دنوں مدینہ کے امیر تھے۔ انہوں نے جب یہ سنا، تو چپکے سے ہاتھ میں جوتا سنبھال چل دیے۔ بالجہر کے حق میں یہ روایت پیش کی جاسکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے بعض صحابہ کو صلوٰۃ اللیل میں بالجہر قرأت پڑھتے سنا تو اس کی تصویب فرمائی۔ اسی مضمون کی ایک حدیث یوں ہے۔ آنحضرتؐ کا ایک مرتبہ اپنے تین صحابہ پر گذر ہوا۔ اور تینوں کو اعمال میں مختلف پایا۔ ابوبکرؓ کو دیکھا کہ بالسر پڑھ رہے ہیں۔ پوچھا سر کی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے کہا۔

ان الذی اناجیہ ھو یسمعنی۔ — جس سے سرگوشیاں کر رہا ہوں وہ سن رہا ہے۔

عمرؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا۔ بآواز بلند پڑھ رہے ہیں۔ سبب دریافت کیا تو کہنے لگے:

ادقظ الوسنان واذجر الشیطان۔ — اونگھتے کو جگانا اور شیطان کو بھگانا مقصود ہے۔

بلالؓ کو اس حال میں پایا کہ کسی ایک ہی سورہ پر انتظار نہیں کرتے۔ بلکہ کچھ آئتیں ایک سورہ کی پڑھتے ہیں۔ اور کچھ آیتیں دوسری سورہ کی۔ اور وجہ یہ بیان کی

اخالط الطیب بالطیب۔ — کہ میں طیب کو طیب سے ملاتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا

کلکم احسن و احساب

تم میں کا ہر ایک محسن اور معیب ہے۔

اختلافِ احوال سے مسئلہ کا انداز بدل جاتا ہے

بات یہ ہے کہ اختلافِ احوال سے احکام و مسائل میں بھی اختلاف پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو تصنع و ریا سے محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ بالسر پڑھے اور جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی قرأت سے دوسرے بیدار ہوں۔ ان میں شوق کے داعیے ابھریں۔ اور خود اس کی ہمت ونشاط میں اضافہ ہو۔ تو اس کو چاہیے کہ جہر کا التزام کرے۔ مزید برآں جہر اس بنا پر بھی افضل ہے کہ اس میں کئی کئی نیتوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی نیک کام کے جس درجہ محرکات زیادہ ہوں گے اسی نسبت سے اس کے اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوگا۔ جیسے مطلقاً قرأت سے یہ کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مصحف کو دیکھ کر پڑھا جائے۔ کیونکہ اس میں مصحف کو ہاتھ میں لینے دیکھنے اور اس میں غور وتامل کرنے کا اجر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اور صرف پڑھنے میں یہ بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ مصحف کو دیکھ کر اور سامنے رکھ کر تلاوت کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ بغیر مصحف کو دیکھے اور دیدہ ونظر کو اس کی زیارت سے بہرہ مند کیے گھر سے باہر نکلنا تک مکروہ سمجھتے تھے۔ ایک فقیہ کو سحری کے وقت امام شافعی سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ دیکھا کہ قرآن کھولے بیٹھے ہیں۔ فرمایا

شغلکم الفکر عن القرآن انی لا اصلی العتمۃ واضع المصحف بین یدی۔ فما اطبقہ حتی اصبح۔

تم پر فکر کا ایسا غلبہ ہے کہ تم قرآن سے بے نیاز ہو گئے ہو۔ اور میرا یہ حال ہے کہ عشاء کے بعد جو قرآن کھول کر بیٹھتا ہوں تو صبح کی نماز تک یہ عمل جاری رہتا ہے۔

قرآن کو ترتیل وخوش الحانی سے پڑھنا چاہیے مگر اس کے معنی موسیقی نہیں۔

آداب تلاوت میں قرأت وتجوید کے قاعدوں کو ملحوظ رکھنا بھی شامل ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں توازن برقرار رہے۔ اور اس انداز سے کہ اس میں حد سے بڑھی ہوئی کھینچا تانی نہ ہو۔ آواز کو موسیقی کے قالب میں ڈھالنے کی اس درجہ کوشش نہ کی جائے کہ اس میں نظم قرآن ہی میں تغیر لازم آئے۔ اس طرح اچھے لب ولہجہ کے ساتھ پڑھنا اور الفاظ وحروف کے مخارج کا خیال رکھنا

ترتیل ہے جو سنت ہے۔ حدیث میں وارد ہے

زینوا القرآن باصواتکم۔

قرآن کو حسنِ صوت سے آراستہ کرو۔

ایک مرتبہ آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے انتظار میں تھے۔ وہ تاخیر سے آئیں تو آپؐ نے دریافت فرمایا

مَا حَبَسِكِ۔ تمہیں کس چیز نے روک رکھا تھا۔

آپؓ نے کہا۔ میں ایک ایسے خوش آواز شخص کی آواز سن رہی تھی جس سے بہتر پڑھنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

آنحضرتؐ اٹھے۔ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہوئے اور جاکر خود قرأت سماعت فرمائی۔ پھر لوٹے اور کہا کہ یہ سالم بن حذیفہ کے غلام ہیں۔ اور کہا

الحمد للہ الذی جعل فی امتی مثلہ۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں اس مرتبہ کے پڑھنے والے پیدا کیے ہیں۔

آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ خوش الحان صحابہ سے قرآن سنتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود سے قرآن پڑھنے کو کہا۔ انہوں نے عرض کیا

یا رسول اللہ اقراء علیک وعلیک انزل۔ یارسول اللہ کیا میں آپ کو سناؤں۔ حالانکہ آپ ہی پر تو یہ صحیفۂ خداوندی نازل ہوا ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں دوسروں سے سنوں۔ اس پر انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ اور آنحضرتؐ کے تاثرات کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔

ایک دفعہ ابوموسیٰ سے قرآن سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایسے خوش الحان تھے کہ ان الفاظ میں آپؐ نے داد دی

اوتی ھٰذا من مزامیر آل داؤد۔

انہیں آل داؤد کے مزامیر سے نوازا گیا ہے۔

---

(۱) ابن حبان و مستدرک

صحابہ بھی جب فرصت کے اوقات میں بیٹھتے اور غذائے روح کی احتیاج محسوس کرتے تو ایک دوسرے سے قرآن سننے کی فرمائش کرتے۔ حضرت عمرؓ اکثر ابوموسیٰ سے فرمایا کرتے تھے۔

ذکرنا ربّنا۔

ہمارے پروردگار کی دلوں میں یاد تو تازہ کرو۔

وہ یہ سنتے تو قرآن کی کوئی نہ کوئی سورہ شروع کر دیتے۔ اور یہ اس میں اتنا محو ہوتے کہ وقت کا احساس جاتا رہتا۔ پھر جب کوئی یہ کہہ کر ان کے اس استغراق کو ختم کر دیتا۔ کہ

یَا امیر المومنین الصلاۃ الصلاۃ۔

کہ اے امیر المومنین نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔

تو کہتے

اَوَ لسنا فی صلاۃٍ۔ کیا ہم نماز ہی میں مشغول نہیں تھے۔

اس سے ان کا اشارہ غالباً اس آیت کی طرف ہوتا

وَلذکر اللہ اکبر۔ اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے۔

تلاوت و قرأت قرآن کے باطنی پہلو

قرآن حکیم کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل دس پہلو ایسے ہیں جن کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

۱۔ کلام اللہ کی حقیقت اور اس کا باعث نزول۔
۲۔ تعظیم و توقیر کے تقاضے
۳۔ حضور قلب
۴۔ تدبر
۵۔ تفہیم
۶۔ موانع فہم سے دست کشی
۷۔ تخصیص
۸۔ تاثر
۹۔ ترقی
۱۰۔ تبری

کلام اللہ کی اصل حقیقت یعنی اللہ کی تجلیات قدسیہ نے کیونکر الفاظ و حروف کی قید کو گوارا کیا
اب ان پہلوؤں کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

جہاں تک کلام اللہ کی حقیقت کا تعلق ہے۔ سب سے اہم اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے یہ گوارا فرمایا کہ مفہوم و معنی کی تجلیاتِ بلند سے نیچے اتر کر بندوں سے ہم کلام ہو۔ اور اپنی صفتِ کلام کو جو ازل سے اس کے ساتھ وابستہ ہے اور نہایت لطیف و نازک ہے، الفاظ و حروف کا جامہ پہنائے۔ اس کرم و لطف بے نہایت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اگر انسان چاہتا کہ اپنی عقل و زیرکی سے اس کی صفات کے بارہ میں علم حاصل کرے اور فکر و دانش کی پرواز سے اس کے حریم ناز تک پہنچے تو اس کو اس میں قطعی کامیابی نہ ہو پاتی۔ اور کسی طرح بھی اس کے کلام و منشا تک اس کی رسائی نہ ہو پاتی۔ یہ تو محض اس کا فضل بے حد اور فیض غیر محدود ہے کہ اس نے اپنے کلام کے انوار کو الفاظ و کلمات کی صورت میں ظاہر کیا اور اس کامیابی کے ساتھ کہ عامی سے عامی بھی اس کی حکمتوں کو پا لینے پر نازاں ہے۔ اور اسی کا کام ہے کہ بندوں کو قرب و اتصال کے ان درجات پر فائز کرے اور ان مراتب کا اہل قرار دے۔ ورنہ کہاں ممکن تھا کہ طور ایسا پہاڑ تو ریزہ ریزہ ہو جائے اور اس کے تجلیاتِ گوناگوں کا تحمل نہ کر سکے۔ اور موسیٰ کا ضعیف و ناتواں قلب و جگر نہ صرف ان کو برداشت ہی کرے بلکہ ان سے بہرہ مند بھی ہو۔

نزول کا سبب اس کا لطف و کرم ہے۔ مسئلہ تنزیل کی حکیمانہ تشریح

اللہ کے اس لطف و کرم کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے کہ جس نے اپنے درجات کی بلندیوں کے اور باوجود اپنی صفات کی تنزیہ کے اپنے بندوں کو شرفِ تخاطب سے مشرف فرمایا۔ اور ان میں یہ اہلیت پیدا کی کہ اس کے اس کلام لطیف کو سمجھ سکیں جو حروف و الفاظ کی منت کشی سے یکسر آزاد ہے۔ ایک حکیم کی اس مثال کو سامنے رکھیے۔ اس سے اس کے انداز کرم اور اسلوب لطف کی کچھ تصویر ذہن کی گرفت میں جائے گی۔ مثال یہ ہے کہ جب آپ کا سابقہ بعض حیوانات سے ہو۔ یا طیور اور پرندوں سے ہو، یعنی آپ انہیں پالنا چاہتے ہوں۔ اور اپنے ہاں گھروں میں رکھنا چاہتے ہوں۔ تو اس کے سوا کیا طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے کہ آپ ان کو سدھائیں اور بعض حرکات اور آوازوں پر لگائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے رتبے کا خیال کئے بغیر ان کی سطح پر آجاتے ہیں۔ اور عجیب عجیب آوازیں حلق سے نکالتے ہیں۔ اور عجیب عجیب حرکات و اشارات کو کام میں لاتے ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوتے ہیں۔ کہ آپ

کے احکام کی پیروی کرسکیں اور آپ کے اشاروں کو سمجھ سکیں۔ بالکل یہی معاملہ اللہ تعالٰے کا اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ اس کی صفت کلام اور اس کی تجلیات معنی و منشا کو یہ حیوان ناطق کب سمجھ سکتا تھا۔ اور کب اس لائق ہوسکتا تھا کہ آپ سے آپ اس کے احکام کی پیروی کرسکے۔ یہ اس کی مہربانی اور محبت ہے کہ اس نے اپنے مقام جلال سے نیچے اتر کر الفاظ و حروف کی سطح پر انسان کو خیر و شر کا فلسفہ سمجھایا۔ حالانکہ اس کی ذات اس سطح سے بہت بلند و بالا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام الٰہی بمنزلہ جسد و جسم کے ہے اور معنی و منشا بمنزلہ روح و نفس کے۔ پھر جس طرح ایک جیتے جاگتے جسم کا احترام اس کی زندگی کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ اور شئی زائد سمجھ کر چھوڑ نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح کلام الٰہی کا احترام اس کے معنی کے اعتبار سے ضروری ہے۔ یہ ایک تمثیل ہے اس سے بس اتنا ہی سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ تعالٰی کی تجلیات کلامیہ نے انسانی حرف و صوت کا جو لباس اختیار کیا ہے اس میں اس کی مہربانی کو خاص دخل ہے۔ کیونکہ اگر اس کی ذاتِ گرامی مہربان نہ ہوتی اور اس کا فیض وجود جوش میں نہ آتا تو اس کی تجرید و ورائیت کبھی کسی کسوتِ الفاظ میں منجلی ہونا گوارا نہ کرتی۔

۲۔ تعظیم و توقیر کے تقاضے

تعظیم و توقیر کے تقاضوں کا مطلب یہ ہے کہ جب قاریٔ قرآن حکیم کی تلاوت کرنے لگے تو سب سے پہلے دل میں متکلم کی عظمت کا نقش جمائے اور یہ سمجھے کہ یہ کلام انسانی کلام ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پروردگار عالم سے ہے۔ اس لیے اس کا پڑھنا کسی معمولی کتاب کا پڑھنا نہیں بلکہ صحیفۂ خداوندی کا پڑھنا ہے۔ اس تصور میں کس درجہ نزاکت ہے اور اس سے تلاوتِ قرآن کا مشغلہ کس درجہ پُرخطر ہو جاتا ہے۔ اس کو ہر کوئی نہیں جان سکتا۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ‌ ‌ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔

پھر جس طرح قرآن کے اوراق و حروف کو چھونے کے لیے ضروری ہے کہ چھونے والا پاک ہو۔ اور کسی ظاہری آلائش سے ملوث نہ ہو۔ اسی طرح جو شخص اس کے معانی و مطالب کو جاننا چاہتا ہے اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ قلب و نظر کی پاکیزگی کا حامل ہو۔ یعنی جس طرح ہر ہر ہاتھ اس کو چھونے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ اسی طرح ہر ہر ذہن و قلب بھی اس لائق نہیں کہ اس کی گہرائیوں سے تعرض کرے۔ اس کے لیے ایک خاص نوع کی صلاحیت فکر، تطہیر باطن اور تعظیم و توقیر کی حاجت ہے۔ تلاوت کے سلسلہ میں یہی وہ نکتہ ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد تلاوت کا مرحلہ اس درجہ آسان نہیں رہتا جس درجہ عوام

نے سمجھ رکھا ہے۔ حضرت عکرمہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ جونہی ان کا شوقِ تلاوت جوش میں آتا اور یہ قرآن کو ہاتھ میں لے کر اس کی ورق گردانی شروع کرتے۔ ان پر غشی طاری ہو جاتی اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہو جاتے

ھو کلام ربی ھو کلام ربی — یہ تو میرے رب کا کلام ہے۔ یہ تو میرے رب کا کلام ہے

یعنی ان کو اپنی اس جسارت پر افسوس ہوتا کہ میں نے اپنے محبوب کے پیام و کلام کے ساتھ یہ سرسری سا معاملہ کیوں روا رکھا۔ متکلم کی عظمت کا نقش دل میں بٹھانے اور جمانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی صفات پر غور کرے۔ اس کے افعال و سنن کے متعلق سوچے۔ اور اس حقیقت کا اقرار کرے کہ عرش و کرسی سے لے کر کائنات کے ادنیٰ ظہورات تک کا وہی خالق ہے۔ وہی سب کو رزق پہنچانے والا ہے اور سب اسی کے قبضۂ قدرت کے اسیر ہیں۔

۳۔ حضورِ قلب

حضورِ قلب سے یہ مراد ہے کہ قرآن پڑھتے وقت پوری پوری یکسوئی حاصل ہو۔ اور سوا قرآن کے خیال کے اور کوئی خیال فکر و تدبر کے واجبات کو اکسانے والا نہ ہو۔ ایک صاحب سے پوچھا گیا قرآن پڑھتے وقت آپ حدیث نفس سے دوچار ہوتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے کہا۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کیا قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی شے محبوب اور پیاری ہو سکتی ہے۔

سلف میں سے بعض حضرات کا معمول تھا جب قرآن پڑھتے اور اس میں جی نہ لگتا تو پھر بار بار مختلف آیات کی تلاوت کرتے تا آنکہ انس و محبت کے تقاضے بیدار ہو جاتے۔ ایک صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔ قرآن میں کیا نہیں ہے! اس میں لق و دق میدان بھی ہیں۔ اور باغات و بستانِ معانی بھی۔ بالاخانے بھی ہیں اور محبوبانِ دلنواز بھی۔ دیباج و حریر کے پیراہن بھی ہیں اور آراستہ و پیراستہ کمرے یا گوشہ ہائے عزلت و خلوت بھی۔ چنانچہ میات تو لق و دق میدان ہیں۔ راءات کا سلسلہ گویا باغات کی ایک قطار ہے۔ حاءات کو بالاخانے سمجھیے۔ اور مسجات کو محبوبانِ دلنواز قرار دیجیے۔ حامیات دیبا و حریر کے پیرہن ہیں۔ اور مفصلات گوشہ ہائے عزلت و خلوت جن میں غور و تدبر کی ہزارہا لذتیں پنہاں ہیں۔ اب جس نے ان میدانوں میں قدم دھرا۔ ان باغات میں گھوما پھرا۔ اور جو ان صاف ستھرے بالاخانوں میں استراحت پذیر ہوا۔ اور جس نے ان آنکھوں سے محبوبانِ دلنواز کو دیکھا۔ دیبا و حریر کے پیراہنوں کو زیبِ تن کیا۔ اور ان گوشہ ہائے عزلت و خلوت میں رہ کر فکر و تدبر کی لذتوں سے آشنا ہوا۔ اس کو اس کا یارا کب ہے کہ ادھر

ادھر ذہن کو مشوش کرتا پھرے۔

۴۔ تدبر۔ کن کن مضامین میں کیا کیا چیزیں پیش نظر رہنا چاہئیں

تدبر کا مرتبہ حضور قلب سے آگے کا ہے۔ حضور قلب سے صرف اتنا ہی مقصود تھا کہ قاری کا ذہن قرآن کے بارہ میں یکسو ہو۔ تدبر کا یہ مطلب ہے کہ قاری نہ صرف یکسو ہو بلکہ قرآن کے معانی و مطالب میں غور و فکر بھی کرے۔ اور جو کچھ پڑھ رہا ہے اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش بھی کرے۔ ترتیل و تجوید کے قاعدوں کو اسی بنا پر اہمیت دی گئی ہے کہ اس سے فہم قرآن میں مدد ملتی ہے۔ حضرت علیؓ کا کہنا ہے

لاخیر فی عبادۃ لافقه فیها ولا قرأۃ — اس عبادت میں خیر کا کوئی پہلو نہیں جس میں فقہ و شعور نہ ہو۔

لا تدبر فیها۔ — اور اس قرأت میں بھلائی کا کوئی شائبہ نہیں جو تدبر سے عاری ہو

تدبر کے دواعی کو بیدار کرنے کا ایک طریق یہ ہے کہ آیات قرآن کو بار بار پڑھے۔ اور اس اثنا میں ان کی تہوں میں اترنے کی کوشش کرے۔ لیکن آیات کے اعادہ و تکرار کا یہ طریق اسی وقت مفید رہے گا جب قاری تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ اور امام کے پیچھے نہ کھڑا ہو۔ کیونکہ اقتدار کی صورت میں اس کی پیروی ضروری ہے۔ اور بار بار پڑھنے اور غور و فکر کو کسی ایک ہی آیت پر مرکوز کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ جب تک وہ کسی ایک آیت پر غور کرے گا۔ اور اس کو اپنے تدبر کا مدار و محور ٹھہرائے گا، امام اس مقام سے آگے بڑھ جائے گا۔

قرآن میں غور و فکر اگرچہ بجائے خود مقصود و مطلوب ہے مگر نماز باجماعت چونکہ ایک طرح کا نظم چاہتی ہے۔ اس لیے اس میں اگر مبالغہ کی حد تک اس کی اجازت دی جائے گی تو یہ بجائے نیکی کے ایک برائی شمار ہو گا۔ اسی حقیقت کی طرف عامر بن عبد قیس نے یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے

الوسواس یعتریني فی الصلوٰۃ۔ — میں نماز میں وسوسوں سے محفوظ نہیں رہ پاتا۔

پوچھا گیا کیسے وسوسے؟ کیا امور دنیا سے متعلق قلب و ذہن کسی طرح کا الجھاؤ محسوس کرتا ہے۔ کہنے لگے۔ جی نہیں۔

لان تختلف فی الاسنة احب الی من ذالك ولکن لیشتغل قلبی بموقفی بین یدی ربی عزوجل وانی کیف انصرف۔

میرے جسم پر تیر و سناں کے حملے ہوں۔ یہ تو گوارا ہے۔ مگر یہ گوارا نہیں کہ نماز میں امور دنیا مجھے الجھاتے رہیں۔ وسوسہ یہ ہے کہ نماز باجماعت کے دوران میرا قلب اس احساس میں ڈوب جاتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوں۔ اور یہ ایسی کیفیت ہے جس سے ذہن علاحدگی برداشت نہیں کرتا۔

یعنی میں اسی لذت میں مشغول رہتا ہوں اور امام آگے بڑھ جاتا ہے۔

بار بار آیات کے پڑھنے اور دہرانے کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا اندازہ صحابہ و تابعین کے ان اقوال سے لگایا ہے۔

حـ تمیم الداری رات بھر اس ایک ہی آیت کی تلاوت میں لگے رہے۔

امحسب الذین اجترحوا السیّئات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات۔ — جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں ہم ان لوگوں کو ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے۔

سعید بن جبیر نے اس آیت کی تلاوت میں پوری رات گذار دی

وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔ — اور گناہ گارو آج الگ ہو جاؤ۔

سلیمان الدارانی کا کہنا ہے۔ چاہے چار پانچ راتیں بیت جائیں۔ میں جب تک ایک آیت میں تدبر نہیں کر لیتا اور اس کی کیفیات سے قلب و ذہن کو پوری طرح متاثر نہیں کر لیتا۔ دوسری آیت نہیں پڑھتا۔

سلف میں سے ایک بزرگ کے بارہ میں منقول ہے۔ ان کو سورہ ہود کے مطالب و معانی پر تدبر کرنے میں چھ مہینے صرف کرنا پڑے۔ ایک عارف نے اپنے معمولات کا یوں ذکر کیا ہے کہ میں نے ختم قرآن کی کئی صورتیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ایک ختم تو روزانہ ہوتا ہے۔ ایک ہفتہ وار ہوتا ہے۔ ایک ماہ بماہ ہوتا ہے۔ اور ایک پورے سال میں صرف ایک دفعہ۔ تیس برس سے تلاوت و تدبر کا یہ عمل جاری ہے۔ مگر نہیں کہہ سکتا کہ اس کے تمام معانی کے احاطہ سے فراغت حاصل کر چکا ہوں۔ اس کی توجیہہ انہوں نے یہ بیان کی کہ میری حیثیت قرآن کے اس مزدور کی سی ہے جو اس میں محنت کرتا ہے۔ پھر اجرت کا ایک حصہ تو روزانہ وصول کرتا ہے۔ دوسرا حصہ ہفتہ وار وصول کرتا ہے۔ اور تیسرا متعین مقدار ماہ بماہ۔ اور سال بہ سال وصول کرنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ یعنی مطالب و معانی قرآن کے کئی درجے ہیں۔ کچھ سرسری توجہ چاہتے ہیں۔ کچھ فوراً گہرے التفات کے متقاضی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ پورے پورے استغراق کے طالب ہیں۔

تفہیم سے یہ مقصود ہے کہ قرآن کے مطالب و معانی پر اس انداز سے غور کرے کہ ہر ہر مضمون کے مقابلہ میں صرف اسی رائے اور نقطۂ نظر کو اپنائے جو صحیح ہو۔ اور اس مضمون اور مقام کے شایانِ شان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں کئی اہم مضامین کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں اللہ کی صفات کی وضاحت بھی

ہے اور اس کے افعال و سنن کی تشریح بھی۔ انبیاء علیہم السلام کے احوال و سوانح کا تذکرہ بھی ہے۔ اور مکذبین کی حالت کا بیان بھی۔ پھر اس میں اوامر و نواہی کی تفصیلات بھی مذکور ہیں اور جنت و دوزخ کا نقشہ بھی۔ ظاہر ہے ان سب مضامین میں ایک متعین رائے اور عقیدہ ہی نجات اخروی کا باعث، اور ارتقاء مدارج کا سبب ہو سکتا ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا تذکرہ ہے۔ جن میں اس کا سمیع و بصیر، قدوس و عزیز اور جبار اور متکبر ہونا مذکور ہے۔ ان سب میں قاری کو صحیح و مناسب رائے قائم کرنا چاہیے۔ اور ان اسماء و صفات کی تہوں میں جو غوامض پنہاں ہیں ان کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے

من اراد علم الاولین والآخرین فلیثور القرآن و اعظم علوم القرآن تحت اسماء اللہ عزوجل وصفاتہ	جو شخص پہلوں اور پچھلوں کے علوم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے قرآن کے معانی میں تدبر کرنا چاہیے۔ اور علوم قرآن کا عظیم ترین ذخیرہ اسماء و صفات کے اسرار میں پوشیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افعال و سنن میں غور و فکر کا نہج یہ ہے کہ اس کی ہر ہر مخلوق اور اس کے ہر ہر فعل میں فاعل و صانع ہی کی عظمت کی طرف توجہ مبذول ہو۔ مزید برآں قاری یہ سمجھے کہ ہر ہر شے اسی کی توجہات خلق سے معرض وجود میں آئی ہے۔ اسی کی مرضی و ارادہ سے قائم و زندہ ہے۔ اور بالآخر اسی کے حکم و فیض سے آئے فنا کے گھاٹ اترنا ہے۔ خود اپنی ذات کے بارہ میں یہی رائے رکھے کہ اس کا وجود بالتبع ہے بالاستقلال نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو خود اس کی عقل و دانش اس کو ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رکھ سکتی۔

اسی طرح جب ایسی آیات کی تلاوت کرے جن میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے تو ان میں مذکورہ ان تمام عجائب و غرائب پر ایک دقیق نظر ڈالے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک قطرۂ آب سے گوشت پوست میں بدلا۔ کس طرح اس میں سمع و بصر کی صلاحیتیں پیدا کیں۔ اور پھر کس طرح اس میں عقل و شعور نے انگڑائی لی لیکن ان تمام انعامات کے مقابلہ میں اس کا طرز عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو آسانی سے ماننے والا نہیں۔

اَوَلَمْ یرالانسان اناخلقناہ من نطفۃٍ فاذاھوخصیم مبین ٥	کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر تو وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔

انبیاء علیہم السلام کے احوال و سوانح کا مطالعہ کرتے وقت اس نکتہ کا استحضار ضروری ہے کہ قاری دیکھے۔ ان کی جلالت قدر اور محبوبیت کے باوجود مخالفت ہوئی۔ لڑائیاں ہوئیں اور ان میں کے بعض

جامِ شہادت تک پینے پر مجبور ہوئے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا سبق حاصل کرنا چاہیے کہ باوجود اس گہرے اور مشفقانہ تعلق و رشتہ کے جو اس کو انبیاء اور اپنی مخلوق سے ہے وہ ان دونوں کی ان آزمائشوں میں پروا نہیں کرتا۔ پھر جب یہ دیکھے کہ آخر آخر میں ان امتحانات کے بعد انبیاء علیہم السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہتے ہیں تو اس سے اس کے یقین میں اضافہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کی نصرت و اعانت کو بہرحال اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

قرآن میں مکذبین کا بیان بھی ہے۔ جب قاری ان کے احوال و کیفیات پر غور کرے تو دل میں خوف و خشیت کے جذبات کو محسوس کرے۔ کہ مبادا اس کی غفلت و سہو یا سوءِ ادب و نافرمانی سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑک اٹھے۔ اور یہ بھی اس کے عذاب کا شکار ہو جائے۔ اسی طرح جنت و دوزخ کے قصہ سے عبرت پذیر ہونا ضروری ہے۔ (باقی آئندہ)

سرگزشتِ غزالی

مترجمہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی "المنقذ" کا اردو ترجمہ جس میں انہوں نے اپنے فکری و نظری انقلاب کی دلچسپ داستان بیان کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ کس طرح انہوں نے جبہ و عبا اور مسند و دستار کی زندگی چھوڑ کر گلیم و فقر کی روش اختیار کی اور تصوف کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

قیمت ۳ روپے

سیاستِ شرعیہ

مؤلفہ رئیس احمد جعفری

دنیا بادشاہت، آمریت، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت سب کا تجربہ کر چکی ہے لیکن انسانیت کے دکھ کا مداوا کہیں نہیں ملتا۔ اسلام نے بھی اب سے چودہ سو برس پہلے ایک دستورِ حیات پیش کیا تھا جو دوسرے تمام نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ سیاستِ شرعیہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسی اجمال کی تفصیل ہے

قیمت ۳/ روپے

ملنے کا پتہ:

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور